محمد فهیم احمد

Research Scholar, MLSU, Udaipur, Rajasthan

کوٹہ میں اردو شاعری

ریاست کوٹہ کی بنیاد سترہویں صدی عیسوی میں عہد جہانگیری کے دوران راؤ مادھو سنگھ ہاڑا (۱۵۹۹ء۔ ۱۶۴۸ء) نے ۱۶۳۲ء میں رکھی تھی۔ یہ ریاست ابتدا میں ریاست بوندی کا حصہ تھی۔ راؤ مادھو سنگھ بوندی کے راجا رتن سنگھ کا دوسرا بیٹا تھا۔ اس ریاست کے راجاؤں کو مہاراؤ کا خطاب ملا تھا۔ مہاراؤ بھیم سنگھ اول (ولادت: ۱۶۸۲ء۔ وفات: ۱۷۲۰ء) نے مغل حکومت سے پانچ ہزاری منصب پایا۔ ۲۶ دسمبر ۱۸۱۷ء کو یہ ریاست انگریز حکومت کے ماتحت آ گئی۔ ۱۸۲۲ء میں حکومت انگلشیہ نے اردو کو دفتری زبان بنانے کا ملک گیر اعلان کر دیا۔ المیہ یہ ہوا کہ اردو کی ترقی غدر کے ہنگاموں کے فرو ہونے کے بعد ہی ہو سکی جب راجپوتانہ کے باہر سے اردو داں حضرات کی آمد و رفت شروع ہوئی۔

دیگر دبستانوں کی طرح کوٹہ بھی ادبی حوالے سے زرخیز خطہ رہا ہے۔ دریائے چمبل کے کنارے بسا ہوا یہ خوبصورت شہر مقامی و غیر مقامی نامور ادباء و شعراء اور فنکاروں کا مسکن رہا ہے جنھوں نے اس کا نام دنیا بھر میں روشن کیا۔ راجستھان کے پٹھاری خطہ کوٹہ کے حوالے سے احتشام اختؔر کا یہ شعر زبان زد خاص و عام ہے۔

ندی کا ہے یہ کرشمہ جو ہو گئی رونق کہ ریگزار میں مثل بہار ہے کوٹہ

کوٹہ میں اردو زبان و ادب کی ترقی میں بیرونی شعراء و ادباء کا رول بھی اہم ہے۔ اس فہرست میں منشی فیاض الدین احمد فدؔا (تلمیذ: غلام محمد رہاؔ اکبر آبادی) عبداللطیف یکتؔا (تلمیذ: انوؔر دہلوی، داغؔ دہلوی) افضل حسین ثابتؔ (تلمیذ: اوجؔ لکھنوی و امیؔر مینائی) سید محمد حسن ثاقبؔ دہلوی (تلمیذ ذکی دہلوی تلمیذ غالبؔ) مذاقؔ بدایونی، ریاض الحسن ریاضؔ متھراوی، عبدالقادر ندؔا اکبر آبادی، ہیرالال سود شیدؔا اکبر آبادی، حکیم سید احمد حسیؔن لکھنوی، مولوی مظہر الہادی امروہوی وغیرہ کی شمولیت ہے جن کا تذکرہ حیاتِ دبیر میں کیا گیا ہے۔ کوٹہ

میں ۱۸۵۷ء کے بعد کا عہد اردو شاعری کی ارتقا کے باب میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ دلّی اجڑی، لکھنؤ، رامپور اور حیدرآباد ریاستیں آباد ہوئیں۔ ان کے انتشار کے بعد مزید چھوٹی بڑی ریاستیں مہاجرین اردو کی آماجگاہ بنیں۔ راجستھان کے دیگر خطّوں کی طرح کوٹہ بھی اجڑے دیار کے لوگوں سے آباد ہو گیا۔ بقول دیا نرائن نگم:

> غدر کے بعد انگریزوں کی ایما پر نواب فیض علی خاں کوٹہ کے وزیر اعظم مامور ہوئے اور ریاست کے دفاتر میں اردو زبان استعمال کی جانے لگی۔ ۱۸۵۷ء میں مطبع فیض کے نام سے پریس قائم ہوا۔ اس پریس پر سرکاری قوانین اردو اور دیوناگری رسم الخط میں شائع کیے جاتے تھے۔ اس دوران ریاست کے سرکاری ملازمین میں ایسے حضرات شامل ہوئے جن کو شعر و سخن کا شوق تھا۔[1]

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نواب فیض علی خاں جب کوٹہ کے وزیر اعظم مقرر ہوئے تو اردو ادب کو ترقی و ترویج ملی۔ دراصل کوٹہ میں اردو کی آمد اور اس کے استحکام کا سہرا بھی ان ہی کے سر جاتا ہے۔ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ ادبی سطح پر کوٹہ میں اردو اُس وقت عام ہوئی جب حاجی سید جعفر حسین (سیشن جج کوٹہ) کے ہمراہ منشی افضل حسین ثابتؔ لکھنوی نے یہاں کی بود و بوش اختیار کی۔ کوٹہ کی ادبی فضا کو خوشگوار بنانے میں نواب فیض علی خاں کے شانہ بہ شانہ ثابتؔ لکھنوی کی خدمات بھی ہیں۔ ان کے علاوہ تلامذہ غالبؔ کے طور پر منشی گوبند سہائے نشاطؔ الہ آبادی بہ حیثیت سیشن جج اور محسن الدولہ سفیر الملک نواب سید محمد جمشید علی خاں تجمؔ حاکم بن کر کوٹہ میں وارد ہوئے۔ اس سے از خود ادبی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں۔ ۱۸۸۰ء میں کوٹہ کے افق شاعری پہ جگمگانے والا اولین ستارہ ثابتؔ لکھنوی تھے جنھوں نے باقاعدہ طور پر کوٹہ میں اردو شعراء کا حلقہ تیار کیا۔ کوٹہ کے استاد شاعر مفتوںؔ کوٹوی اپنے مضمون ''ثابتؔ لکھنوی مرحوم کی ضیا پاشیاں'' میں رقم طراز ہیں:

> ثابتؔ مرحوم ۱۸۶۲ء میں بمقام لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے مابعد نے انھیں معاشی ضرورتوں کے تحت ترک وطن پہ مجبور کیا۔ ۱۸۸۰ء میں بہ عمر ۱۸ سال کوٹہ راجستھان آئے۔ پہلے سرکاری ملازمت سے وابستہ رہے، بعد ازاں وکالت شروع کر دی۔ ریاست کوٹہ سے انھیں وظیفہ ادبی بھی ملتا تھا اور دربار میں ان کی نشست بھی مقرر تھی۔ حیات دبیر حصہ اول و دوم اور دربار حسین ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ خود اُن

> کے اعزائی اصناف کا مجموعہ صبر جمیل (تاریخی نام برق غم) شائع ہو چکا ہے۔ حالانکہ انھوں نے کافی غزلیں، نظمیں اور رباعیات کہی ہیں۔ شاید حوادث روزگار کی زد میں آ گئیں ۔ ۱۹۴۷ء کا طوفان انھیں بھی کہیں اُڑا لے گیا۔ یہ (ثابت لکھنوی) ۱۹۴۱ء میں بہ عمر ۷۹ سال رحلت فرما گئے۔ کوٹہ ہی میں پیوند خاک ہوئے۔[2]

ثابت لکھنوی دبستان لکھنؤ سے بلاواسطہ اور دبستان دبیر سے بالواسطہ مرزا اوج لکھنوی سے وابستہ تھے۔ ثابت لکھنوی اپنے کلام پر اوج لکھنوی سے اصلاح لیتے تھے اور دیگر اصناف سخن میں امیر مینائی سے مشورہ سخن فرماتے تھے۔ ان کی قابل قدر تصنیف 'حیات دبیر' شبلی نعمانی کی 'موازنہ انیس و دبیر' کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ راجستھان کی ادبی تاریخ کے مطالعے سے اب تک کی تحقیق کی روشنی میں یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ کوٹہ میں اردو شاعری کے لیے ۱۸۷۳ء سے ۱۸۷۹ء تک فضا سازگار رہی۔ اور باقاعدہ طور پر آغاز ۱۸۸۰ء ثابت لکھنوی کی تشریف آوری سے ہوا۔ یہ بڑے قادرالکلام شاعر تھے۔ غزل اور مرثیہ میں انھیں ید طولی حاصل تھا۔ ثابت لکھنوی کے اثرات سے کوٹہ میں شاعری کے افق پہ کئی تلامذہ ابھر کر سامنے آئے جنھوں نے آگے چل کر کوٹہ میں اردو شاعری کی مشعل کو فروزاں کیا۔ ایسے شعراء میں بابو بال مکند گپت، مفتوں کوٹوی، سراج کوٹوی، تمکین کوٹوی اور عبدالعظیم بسمل اکبرآبادی قابل ذکر ہیں۔ اس طرح استادی شاگردی کی روایت کے زیر اثر کوٹہ میں اردو شاعری پروان چڑھی۔ ثابت لکھنوی کے مشن کو مفتوں کوٹوی نے عام کیا۔ کوٹہ اور اطراف کوٹہ میں شعراء کی کثیر تعداد نے اس تربیت میں حصہ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ مفتوں کوٹوی کے تلامذہ کی طویل فہرست ہے۔ ثابت لکھنوی کی کاوشوں کی بدولت کوٹہ کی ادبی نشستوں کو جو عروج حاصل ہوا انھوں نے اس حوالے سے ایک جگہ لکھا ہے۔

> شروع شروع میں یہ ادبی محفلیں سید کا باغ، سیٹھ کنولال نوہرا اور راج کنہاری کی حویلی میں منعقد ہوتی تھیں۔ خاص نشستوں میں ثابت لکھنوی، سہیل امروہوی اور وکیل محمد ثاقب شریک ہوتے تھے۔[3]

بیسویں صدی کے نصف اول میں یہاں اردو زبان و ادب کو عروج حاصل تھا۔ ہر خاص و عام اس کا والہ و شیدا تھا۔ جب کوٹہ میں باقاعدہ شعر و شاعری کا آغاز ہو گیا تو تیزی سے ادبی انجمنوں کی تشکیل ہونے لگی ۔ شعری نشستوں اور مشاعروں کا انعقاد ہونے لگا۔ ان میں ہربرٹ کالج کوٹہ کے سالانہ ڈنر پر منعقد ہونے والی شعری نشستیں، مشاعرہ ریلوے انسٹی ٹیوٹ کوٹہ، بزم ادب کوٹہ، ہندی اردو پوئٹس

ایسوسی ایشن، ہربرٹ کالج کوٹہ، مشاعرہ ہربرٹ کالج (ورلڈ ایسوسی ایشن کوٹہ) فی البدیہہ مشاعرہ، میلہ دسہرہ کے موقعے پر ہونے والے سالانہ مشاعرے، جشن قیس، ہندی اردو سنگم مشاعرے اور بزم سخن کے زیر اہتمام ہونے والے مشاعروں سے یہاں کی ادبی فضا جگمگا اُٹھی۔

کوٹہ کے استاد شاعر مفتوں کوٹوی نے اپنے مضمون 'کوٹہ میں اردو' میں لکھا ہے کہ ۱۹۳۰ء کوٹہ کے راجا بھیم سنگھ کی شادی کے سلسلے میں سہرے اور قصائد لکھے گئے۔ مارچ ۱۹۳۰ء میں ان کا ایک مجموعہ شائع کیا گیا۔ مذکورہ مشاعرے میں شرکت کرنے والے شعراء کی تعداد اور نام کوٹہ کی علمی وادبی حیثیت کو واضح کردیتی ہے۔ بحیثیت مجموعی ۱۸۵۷ء تا حال کوٹہ میں ادباء وشعراء کی چار نسلیں سرگرم نظر آتی ہیں جن کی درجہ بندی مقامی وغیر مقامی سطح پر کی جاسکتی ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد شعرائے کوٹہ میں مفتوں کوٹوی، ڈم ڈم کوٹوی، روشن کوٹوی، توفیق کوٹوی، امین نشاطی، عزیز سانگرولی، راغب کوٹوی، قیس کوٹوی، تمکین کوٹوی، جوہر کوٹوی، عبداللطیف کوٹوی، عبدالستار عبد اور حافظ حکمت علی حکمت کا نام بطور خاص لیا جاسکتا ہے۔ مابعد آزادی کے شعراء میں ظفر غوری، ظفر احمد پرواز، عقیل شاداب، بشیر احمد لطفی، امین الدین اثر، آزاد ارمی، شکور انور، رؤف اختر، جلال توقیر، عبدالحمید حیراں، امیر محمد صابر، سعید محوی، مضطر صدیقی، یقین الدین یقین، نارائن لال گوڑ شیل اور دیگر اس قافلے کے سابقون الاولون ہیں۔ تیسری نسل سے تعلق رکھنے والے شعراء وہ ہیں جن کا وطن اگرچہ کوٹہ نہیں تھا لیکن ملازمت اور طویل قیام کی وجہ سے انھوں نے اسے وطن ثانی بنایا۔ ایسے شعراء میں ثابت لکھنوی، للتا پرساد شاد میرٹھی، بہار صدیقی، فضا جوکالوی، احتشام اختر، فاروق بخشی، عبدالجبار واہی، راہی ٹونکی، اکرام راجستھانی، فاروق انجینئر اور کنور جاوید کے نام قابل ذکر ہیں۔ شعراء کی جدید نسل میں فرخ ندیم، نعیم دانش، احمد سراج فاروقی، یوسف راز، چاند شعری، جمیل قریشی، سلیم آفریدی، سلیم عباسی، ڈاکٹر فرید خان، ڈاکٹر زیبا، عزیز ناچیز، الیاس ناز، غلام مصطفیٰ، اطہر اجینی اور بشیر احمد میوخ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ قدیم وجدید شعرائے کوٹہ کا کلام بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

کم ظرف سے نہ مانگ کہ ثابت نہ ہو ذلیل   قطرہ بھی نام کو نہیں جام حباب میں

ثابت لکھنوی

غیر کیا جانیں کیا راز ہے اس میں پنہاں   آنکھ سے آنکھ جو محفل میں لڑی جاتی ہے

للتا پرساد شاد میرٹھی

بات باتوں سے بنتی ہے قاصد اپنی جانب سے کچھ کہا ہوتا

فضاؔ جوکالوی

مری بربادیاں دیکھی ہیں میں نے خواب اے جوہر مرے آگ جلایا جارہا تھا آشیاں میرا

جوہرؔ کوٹوی

ہر ایک سمت اندھیرا دکھائی دیتا ہے تمھاری بزم میں کیسے چراغ جلتے ہیں

پرکاش چند چاندؔ مظفرنگری

سوزِغم حیات کے نغمے مچل گئے پوچھا کسی نے حال تو آنسو نکل گئے

عبدالکریم شادؔ کوٹوی

مفتوںؔ ہمارے شعر پہ ہوگا یہ سخت ظلم پہنچے اگر نہ چشم سخن داں کے سامنے

مفتوںؔ کوٹوی

جب میرے گھر نے آگ پکڑی تھی ملنے آیا تھا وہ ہوا کی طرح

عقیل شادابؔ

سینکڑوں ظلمت کدوں کو توڑ کر آئے گا پھر اک نیا سورج جو مضطرؔ شب کے پیراہن میں ہے

مضطرؔ صدیقی

بھاری بھرکم پیڑ اکھڑتے جاتے ہیں کیسے کیسے لوگ بچھڑتے جاتے ہیں

فاروقؔ بخشی

تو نہ امرت کا پیالا دے ہمیں صرف روٹی کا نوالا دے ہمیں

چاند شعری

ماقبل آزادی و مابعد آزادی کوٹہ میں ادبی سرگرمیاں سرد رہیں۔اس کی وجہ ۱۹۴۷ء کے ناسازگار حالات تھے۔اس سے کوٹہ کی ادبی فضا بھی خاصی متاثر رہی۔اس جمود کا خاتمہ ۱۹۶۰ء میں مابعد جدیدیت کی بدولت ہوا۔ایک بار پھر سے ادبی نشستوں کا انعقاد ہوا اور شعراء کی محفلیں آباد ہونے لگیں۔اس زمانے کی نشستوں میں باہر کے شعراء کو مدعو کیا جاتا تھا۔بقول احتشام اخترؔ کوٹہ کے بارے میں ایک خاص بات قابل ذکر ہے کہ کوٹہ کے ادبی ماحول پر کبھی جمود طاری نہیں ہوا۔کوٹہ کے نوجوان شعراء اپنے پیش رو شعراء سے زیادہ سرگرم عمل اور فعال ہیں۔کوٹہ جیسے صنعتی شہر میں رہنے والے نوجوان شعراء کی فکر بھی جدید اور سائنٹفک ہے۔

ان کی فکران کی شاعری میں بھی منعکس ہوتی ہے۔[4]

ریاست کوٹہ کا علمی وادبی سفر مختلف نشیب وفراز سے گزر کرارتقا کی جانب گامزن ہے۔ عہد گزشتہ کے ادباء وشعراء نے نئی نسل کے لیے جوراہیں ہموار کی ہیں ان پر چل کر ہی نسل نو نے روایات کو زندہ وتابندہ رکھا ہے۔

☆☆☆

مراجع ومصادر:

۱۔ ماہنامہ زمانہ کانپور دسمبر ۱۹۴۳ء صفحہ ۲۸۶

۲۔ سہ ماہی نخلستان اودے پور راجستھان، شمارہ ۱، ۲۔ اشاعت: اپریل و جولائی ۱۹۶۴ء

۳۔ مضمون: راجستھان میں فروغ اردو کا صد سالہ جائزہ۔ رسالہ اردو ادب علی گڑھ صفحہ ۸۳۔ اشاعت: ۱۹۶۶ء

۴۔ انداز نظر۔ مضمون۔ کوٹہ کا جدید شعری ادب: ایک جائزہ۔ صفحہ ۴۴۔ اشاعت ۲۰۱۰ء